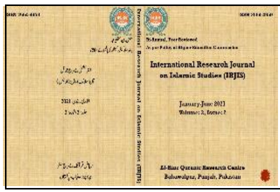

International Research Journal on Islamic Studies (IRJIS)
ISSN 2664-4959 (Print), ISSN 2710-3749 (Online)
Journal Home Page: https://www.islamicjournals.com
E-Mail: tirjis@gmail.com / info@islamicjournals.com
Published by: "Al-Riaz Quranic Research Centre" Bahawalpur

مقدمات میں تحدیدِ مدت کی شرعی حیثیت

Sharia perspective of Limitation in Litigations

Prof. Dr. Abdul Ghaffar,
Chairman, Department of Fiqh and Shariah
The Islamia University of Bahawalpur, Punjab, Pakistan
Email: abdul.ghaffar@iub.edu.pk
ORCID ID: https://orcid.org/0000-0001-7132-0093

To cite this article: Prof. Dr. Abdul Ghaffar. 2024. "مقدمات میں تحدیدِ مدت کی شرعی حیثیت: Sharia perspevtive of Limitation in Litigations. International Research Journal on Islamic Studies (IRJIS) 6 (Issue 1), 52-68.

Journal	International Research Journal on Islamic Studies Vol. No. 6 || January - June 2024 || P. 52-68
Publisher	Al-Riaz Quranic Research Centre, Bahawalpur
URL:	https://www.islamicjournals.com/urdu-6-1-5/
DOI:	https://doi.org/10.54262/irjis.06.01.u5
Journal Homepage	www.islamicjournals.com & www.islamicjournals.com/ojs
Published Online:	30 June 2024

License:	This work is licensed under an Attribution-ShareAlike 4.0 International (CC BY-SA 4.0)

Abstract:

In Shariah, litigation is an important part of maintaining justice in society. The limitation in litigation refers to the idea that there are time constraints within which a person can file a legal claim or seek redress. While Islamic law does not explicitly prescribe a uniform statute of limitations as modern legal systems do, the underlying principles of justice, fairness, and accountability guide the approach to time limits in legal matters. In Shariah, the limitation in litigation is primarily concerned with preventing the harm caused by prolonged disputes, ensuring the timely resolution of conflicts, and upholding the integrity of legal processes. While specific time limitations are not always explicitly outlined in classical texts, the guiding principles of justice, equity, and fairness generally allow for judicial discretion in determining the appropriateness of a claim based on its timeliness. As modern Islamic states integrate Sharia principles with national legal systems, clear limitations on various types of litigation are becoming more defined. Still, they continue to be influenced by the foundational goals of preserving justice and social harmony.

Keywords: Limitation Act, Legal matters, Procedural Law, Substantive Law, Time limits, Principles of Justice, Equity

موضوع کا تعارف اور دائرہ کار

تحدیدِ مدت یا میعاد سماعت کا مفہوم وہ عرصہ ہے جس کے ختم ہو جانے کے بعد قانون کے سامنے کوئی دعوی قابل اعتنا نہیں رہتا۔ قانون میعاد ایک ایسا قانون ہے جس میں کسی کام کی مدت مقرر کی جاتی ہے جس میں اسے بروئے کار لانا ہوتا ہے۔ تحدیدِ مدت کے قوانین کی بنیاد منطق پر استوار نہیں کی جاتی بلکہ ضرورت اور مصلحت اس کا جواز فراہم کرتی ہے۔اس کی اساس اصول سے زیادہ خالص عملی حقائق پر ہوتی ہے اور اس کا مقصد عدالتوں کو پرانے اور بلا ثبوت دعاوی سے بچانا اور شہریوں کو ایسے دعاوی سے تحفظ دلانا ہے جن میں وہ شہادتوں کے ضائع ہونے اور دیگر ثبوت مٹ جانے کی وجہ سے دفاع نہ کر سکیں۔

قانون کا اطلاق ظاہری ثبوت اور شواہد پر ہوتا ہے۔ مدت دراز گذرنے کے ساتھ ساتھ شہادتیں کمزور پڑ جاتی ہیں۔ واقعاتی ثبوت، حالات وقرائن، دلائل وشواہد کی تائیدی قوت میں کمی آجاتی ہے۔ دستاویزات ضائع ہو جاتی ہیں اور گواہ باقی نہیں رہتے اور عدالت کے لئے اصل حقائق معلوم کر کے فیصلہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔اس صورت حال کے سدِباب کے لئے ایسے قوانین وضع کیے جاتے ہیں جن میں کسی دعویٰ کی سماعت کے لئے ایک وقت مقرر کر دیا جاتا ہے جس کے گذر جانے کے بعد دعوی قابل سماعت نہیں رہتا۔ ایسے تمام قوانین کو میعاد سماعت کے قوانین یا تحدیدِ مدت کے قوانین کہا جاتا ہے۔

انگریزی قوانین میں ایسے تصورات کے لئے Statutes of Limitation کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے، جبکہ کتبِ فقہ میں تقادم کی اصطلاح مستعمل ہے۔ تقادم کے معنی گذر جانے اور پرانا ہونے کے ہیں۔ تقادم کی اصطلاح زیادہ تر فوجداری قوانین میں استعمال ہوتی ہے۔ تقادم کی بالعموم دو صورتیں ہیں،اولاً یہ کہ فوجداری قوانین میں جرم کے ارتکاب کے بعد عدالت کے روبرو اس جرم کا ثبوت پیش کرنے میں بغیر کسی عذر شرعی کے قابل لحاظ تاخیر واقع ہو جائے۔ثانیاً یہ کہ عدالت میں جرم ثابت ہو جانے اور فیصلہ صادر ہونے کے بعد سزا کی تنفیذ میں قابل لحاظ تاخیر ہو جائے۔

سنتِ نبوی ﷺ میں تحدیدِ مدت کا تصور

مدنی دور کے تنازعات میں تحدیدِ مدت کے قوانین کا تعلق قبضہ سے ہوتا ہے۔ فقہاء کرامؒ نے قبضہ کو اسباب ملکیت کی ایک وجہ تسلیم کیا ہے۔ قابض شخص اور مقبوضہ شئے کے درمیان موجود قریب ترین مادی عملی اور واقعاتی تعلق جس میں غلبہ کا عنصر اور اختیار کی بالادستی کا پہلو بھی موجود ہو قبضہ کہلاتا ہے۔ ایسی کوئی شئے جو ملکیت بننے کے قابل ہو اور مادی طور پر برائے استعمال کسی کے تصرف اور تحویل میں ہو، میں اس شئے کا قبضہ کہلاتا ہے۔ امام مالکؒ نے المدونۃ الکبریٰ میں سعید بن المسیبؒ سے اور مراسیل ابوداؤد میں یہ روایت زید بن اسلمؒ سے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ جس نے کوئی زمین دس سال تک اپنی تحویل میں رکھی وہ اس کی ہے۔[1]

مذکورہ حدیث سعید بن المسیبؒ سے مروی ہو یا زید بن اسلمؒ سے، دونوں مرسل ہیں کیونکہ دونوں حضرات تابعی ہیں اور انہوں نے روایت کرنے والے صحابی کا نام ذکر کیے بغیر حدیث کو رسول ﷺ کی جانب منسوب کیا ہے۔ سعید بن المسیبؒ کی مراسیل صحیح ترین شمار ہوتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے عرب کی غیر آباد زمین کو آباد اور غیر مملوک زمینوں کے آباد کرانے کے لئے یہ قانون جاری فرمایا کہ جو شخص غیر

---

1 abū dāūd, sulīmān bin al-ash´ash, marāsīl mulhiq fī ´ākhir al-sunan, bāb mā jā´ fī al- qaḍā´, p.17 karāchī

آباد زمین کو آباد کرے وہ اسی کی ہے۔آپ ﷺ نے یہ اصول جاری فرمایا کہ پرانی زمینیں جو کسی کی ملکیت نہ ہوں وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ملکیت ہیں اور ایسی زمینیں ریاستی املاک کہلاتی ہیں اور اگر کسی شخص کو حکومت کی طرف سے کوئی قطعہ اراضی دے دیا جائے اور وہ اس کو آباد نہ کرے تو یہ قطعہ زمین دوبارہ ریاست کی ملکیت میں آجائے گا۔یعنی زمین کی آباد کاری کا حق حاصل کر لینے کے بعد ایک عرصہ تک اسے آباد نہ کرنا اس زمین کا حق ختم ہو جانے کا سبب بن جائے گا اور اس کے لئے تین سال کی مدت مقرر کی گئی ہے۔چنانچہ یحیی بن عروہؓ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

- عادی الارض اللہ وللرسول ثم لکم من بعد فمن أحیا أرضا میتتا فہی له ولیس لمحتجر حق بعد ثلاث سنین۔[2]

غیر آباد پرانی زمین اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہے پھر اس کے بعد تمہارے لیے ہے تو جو شخص بنجر زمین کو آباد کرے تو یہ اسی کی ہے اور کسی پتھر نصب کرنے والے شخص کا تین سال بعد حق نہیں۔

- عن عمربن شعیب رضی اللہ عنه قال أن النبیﷺأقطع ناساًمن جہینة أرضاًفعطلوا ھاوترکواھا فأخذھا قوم آخرون،فأحیوھافخاصم فیھاالأولون إلی عمرفقال:لو کانت قطیعة منی أومن ابی بکرلم أرددھا ولکنہا من رسول االلہ ﷺ وقال: من کانت له أرض فعطلہا ثلاث سنین ،لا یعمرھا، فعمرھا، غیرہ ،فہوأحق بہا۔[3]

عمر بن شعیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جہینہ کے کچھ لوگوں کو ایک قطعہ زمین عطا فرمایا تھا جو انہوں نے آباد نہ کیا اور چھوڑے رکھا جس کو کچھ لوگوں نے لے کر آباد کر لیا۔پہلے لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے مقدمہ پیش کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر یہ قطعہ زمین میری جانب سے یا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی جانب سے دیا گیا ہوتا تو میں واپس لے لیتا مگر یہ رسول پاک ﷺ کی جانب سے ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا جس کے پاس زمین ہو اور وہ تین سال تک آباد نہ کرے اور کوئی دوسرا شخص آباد کر لے تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

قانون میعاد سماعت کا مقصد

قانون میعاد سماعت کا اہم مقصد یہ ہے کہ ہر شخص کو قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے اتنا وقت مل جائے کہ وہ اس عرصہ میں باآسانی اپنا حق حاصل کر سکے یا کسی ذمہ داری کا تعین کر سکے یا پھر اپنے کسی حق کا نفاذ کرا سکے یا کسی قسم کی قانونی چارہ جوئی کر سکے۔ایسے قانون کو میعاد سماعت کہا جاتا ہے جو ایک شخص کو نالش،اپیل یا درخواست گذرانے کے بعد ایک مقررہ مدت تک باز رکھتا ہے یا اس کی ممانعت کرتا ہے۔مختلف کتبِ قانون میں میعاد سماعت کا مقصد انداز بیاں مختلف ہے۔مثلاً

- The Limitation Act does not create any right but merely prescribes the period of enforceability of such right.[4]

قانون میعاد سماعت کسی حق کو جنم نہیں دیتا بلکہ صرف ایسے کسی حق کے قابل نفاذ ہونے کا عرصہ بیان کرتا ہے۔

- The Principle of the Act is not enable suits to be brought with in certain period but to forbid than being brought after certain periods[5].

---

2 abū yūsuf, yaqūb bin ibrāhīm, kitāb al-khirāj, p.70, dār al-ma´rifah, baīrūt

3 al-zaīl´ī, jamāl al-dīn abū ´abdullah bin yūsuf, naṣab al-rāyatu li-ahādīth al-hidāyah, kitāb ahyah´ al-mawāt, 4/290, dār nasher al-kutub al-islamīyah, lāhūr

4 PLD 1972 Pesh. p.157

5 ILR 3 Bom. p.207

قانون ہذا کا اصول یہ نہیں ہے کہ مخصوص اوقات کے درمیان نالشات دائر کرائی جائیں بلکہ اس کا اصول ایسے مخصوص اوقات کے بعد نالشات دائر کرنے کی ممانعت ہے۔

- The object of the Act is to quiet long possession and to extinguish state demands[6]

اس قانون کا مقصد طویل عرصے کے قبضہ کو پر سکون رکھنا اور مطالبات کا خاتمہ ہے۔

- The object of Limitation Act is not to create or define causes of action but simply to prescribe the period within which existing rights can be enforced in court of law. [7]

قانون میعاد سماعت کا مقصد کسی حق کو جنم دینا یا بنائے دعوی کی تعریف کرنا نہیں ہے بلکہ صرف ایسا وقت بیان کرنا ہے جس کے دوران پہلے سے قائم شدہ حقوق کا قانون کی عدالت میں نفاذ کرایا جاسکے۔

- "The intention of law of limitation is not to give right where there is not one, but to interpose a bar after a certain period to a suit to enforce an existing right. 2

قانون میعاد سماعت کی منشا یہ نہیں ہے کہ جہاں کوئی حق نہ ہو وہاں کوئی حق دیا جائے بلکہ اس کا مقصد ایک مخصوص وقت کے بعد بار قائم کرنا ہے جو کسی قائم حق کے نفاذ کے دعوی سے متعلق ہے۔

قانون میعاد سماعت کے بارے میں مذکورہ بالا تصریحات اگرچہ مختلف ہیں۔تاہم مفہوم تقریباً ایک جیسا ہے اور ایک ہی مقصد کو بیان کرتی ہیں کہ قانون میعاد سماعت کسی طور کسی نئے حق کو جنم نہیں دیتا بلکہ کسی حق کو جو پہلے سے قائم ہے ایک مقررہ میعاد کے اندر نافذ کرانے کے لئے چارۂ کار مہیا کرتا ہے۔وجوہات کا تعین کرنا قانون میعاد سماعت کا مقصد نہیں ہے بلکہ صرف ثابت شدہ حقوق کا عدالت قانون کے ذریعے معینہ مدت کے اندر نفاذ کرانا ہے۔ قانون میعاد سماعت کی بنیاد قانون نصفت(Law of Equity) کے اس اصول پر ہے کہ انصاف میں تاخیر اس کے ضیاع کے مترادف ہے۔"Delay defeats equity" اور یہ کہ " Equity aids the vigilant, not indolent " "قانون چوکس لوگوں کی مدد کرتا ہے نا کہ غافلوں کی۔عدالتی تنازعات کی کوئی انتہا ہونی چاہیے لیکن مذکورہ بالا فقرے موجودہ قوانین کے حق میں اس لئے پوری طرح اطمینان بخش ثابت نہیں ہوئے کہ یہاں دیانت اور قضاء کی کوئی تفریق کم از کم عملاً نہیں ہے بلکہ جو حق عدالت سے مسترد ہو گیا عملاً وہ حق ہی نہیں رہا۔گویا اصولی طور پر موجودہ قوانین میں بھی یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ میعاد سماعت سے عدالتی چارہ جوئی ختم ہوتی ہے حق ختم نہیں ہوتا۔

قانون میعاد سماعت ایک ایسے شخص کو جو عرصۂ دراز تک اپنے حقوق کے بارے میں یا ان کے نفاذ کے بارے میں یا کسی ذمہ داری کے تعین کرانے کے بارے میں خاموش رہے تو مقررہ میعاد گذرنے کے بعد اس کو حق نہیں دیتا کہ وہ ایسے حق کے نفاذ یا ذمہ داری کے تعین کے لئے دعوی کرے۔دوسری طرف قانون میعاد سماعت ایسے شخص کے قبضہ میں مزاحمت یا مداخلت برداشت نہیں کرتا جو کسی شئے یا جائیداد پر عرصۂ دراز سے پر سکون طور پر اور بغیر کسی فریب یا وعدہ خلافی کے قابض ہے۔ قانون میعاد سماعت کے مقاصد سے یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے کہ مقررہ یا مخصوص مدت کے اندر کسی شخص سے لازماً نالش دائر کرانا بھی اس کے دائرہ کار میں شامل ہے۔قانون میعاد سماعت کا مقصد کسی حق کو جنم دینا یا ختم کرنا نہیں ہے بلکہ کسی امکانی فریب اور دھوکہ دہی کو روکنا ہے اور پہلے سے قائم شدہ حقوق کا نفاذ کرانا ہے اور ایسا ایک مخصوص مدت کے اندر ہی ہو سکتا ہے۔ قانون میعاد سماعت اور اس سے ملتے جلتے چند دیگر مباحث

- قانون میعاد سماعت اور اصول غفلت(Limitation and doctrine of laches)

---

6 20WR375-PR

7 24Col. 1(7) PC

- قانون میعاد سماعت اور حق قدامت (Limitation and Prescription)
- قانون میعاد سماعت اور اصول رضامندی (Limitation and doctrine of Acquiescence)
- قانون میعاد سماعت اور امر مانع تقریر مخالف (Limitation and Estoppel)

قانون میعاد سماعت اور اصول غفلت

غفلت سے مراد عدم پیروی ہے۔اگر مدعی کو کسی شخص کے فعل سے کوئی مضرت پہنچے جس کا وہ فوری طور پر حکم امتناعی روکے جانے کا طالب ہو مگر قانونی چارہ جوئی میں غفلت برتے اور عدالت سے رجوع نہ کرے تو ایسی صورت میں عدالت حکم امتناعی دینے سے انکار کر سکتی ہے۔ تاخیر سے نصفت ختم ہو جاتی ہے جہاں تک میعاد سماعت کا تعلق ہے تو اگر دعوی اندر میعاد دائر نہ کیا جائے تو اسے خارج کر دیا جاتا ہے اور کسی معاملہ سے متعلق بھی غور نہیں کیا جاتا لیکن غفلت کے سلسلہ میں کوئی خاص میعاد مقرر نہیں ہوتی اور عدالت اس ضمن میں غیر مناسب تاخیر کی وجوہات کے علاوہ شہادت کے ضائع ہو جانے اور مدعی علیہ کے نقصان وغیرہ کے معاملات پر بھی غور کرتی ہے۔

میعاد سماعت کے سلسلہ میں عام طور پر اس امر کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی کہ مدعی کو اپنے حقوق کے متعلق علم نہ تھا لیکن اس کے برعکس اگر اصول غفلت کی بنیاد پر جب کوئی مطالبہ کیا جائے تو یہ ضروری ہو گا کہ یہ واضح کیا جائے کہ مدعی کو حقائق کا علم تھا اور یہ کہ اس نے قصداً اپنے حقوق سے غفلت کی۔اصولی طور پر اگر ایک شخص اپنے حقوق سے غفلت برتتا ہے تو اسے کسی نقصان کا بھی خود ذمہ دار ہونا چاہیے۔عدالت عالیہ کے ایک فیصلہ میں بیان کیا گیا ہے کہ :۔

قانون میعاد سماعت اور اصول غفلت اپنی وسعت اور نفاذ کے لحاظ سے مختلف ہیں۔پہلا چارہ کار کو قانون موضوعہ کے دور پر ختم کرتا ہے اور ایک قابل قدر حق اس وقت مخالف فریق کو حاصل ہو جاتا ہے جب معاملہ کسی خاص قانون کے تحت میعاد یا قانون میعاد سماعت کے تحت زیر بار آجاتا ہے لیکن اصول ہائے غفلت وہاں پیدا ہوتے ہیں جہاں موضوعہ قانون کے تحت میعاد مقرر نہیں کی گئی ہوتی بلکہ عدالت از خود نوٹس لیتی ہے۔ قانون میعاد سماعت اور اصول غفلت میں مختصراً فرق مندرجہ ذیل ہے:

- میعاد سماعت میں قانونی چارہ جوئی کے لئے وقت مقرر ہوتا ہے جبکہ غفلت میں وقت مقرر نہیں ہوتا۔
- میعاد سماعت میں کوئی شخص اپنے حق کی طرف سے عدم واقفیت کا جواز پیش نہیں کر سکتا جبکہ اصول غفلت میں یہ ثابت کرنا لازم ہے کہ مدعی کو اپنے حق کا علم تھا اس نے جان بوجھ کر غفلت سے کام لیا۔
- میعاد سماعت کے قانون کا تعلق مفاد عامہ اور رفاہ عامہ سے ہے جبکہ اصول غفلت کا تعلق فرد سے ہے۔
- میعاد سماعت کا اصول غیر لچکدار ہے اور اپنے احکامات پر سختی سے عمل کراتا ہے جبکہ اصول غفلت میں لچک موجود ہے۔اس کا تعین عدالت کرتی ہے کہ غفلت کا کیا جواز تھا اور یہ کہ غفلت کو مرتکب کے حقوق کے خلاف استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔
- میعاد سماعت کا تعلق صرف مدعی تک ہوتا ہے جبکہ اصول غفلت ہر دو فریق یعنی مدعی اور مدعی علیہ تک اثر انداز ہوتا ہے۔

قانون میعاد سماعت اور حق قدامت

قانون میعاد سماعت اس میعاد کی وضاحت کرتا ہے جس کے گذرنے کے بعد کسی معاملہ کے متعلق دعوی دائر نہیں کیا جا سکتا جب کہ قانون حق قدامت ایک ایسی میعاد مقرر کرتا ہے جس کے گذرنے کے بعد اس حق کے متعلق نہ صرف یہ کہ قانونی چارہ جوئی زائل ہو جاتی ہے بلکہ ایک متصل حق ملکیت یا تو حاصل ہو جاتا ہے یا خارج ہوتا ہے۔ جسٹس (ر) تنزیل الرحمن حق قدامت کے متعلق لکھتے ہیں کہ جو حق طویل استعمال یا قبضہ و تصرف کی بنا پر پیدا ہو۔ یہ حق ایک مقررہ عرصہ تک مسلسل بلا مزاحمت قبضہ و تصرف یا استعمال کی بناء پر بمنزلہ ملکیت متصور ہوتا ہے۔ مثلاً

بیس سال تک بلامزاحمت ورکاوٹ روشنی اور ہوا کے استفادہ سے یہ حق پیدا ہو جاتا ہے کہ ہمسایہ اپنی اراضی پر اس طرح مکان نہیں بنا سکتا کہ وہ ان چیزوں کے روکنے کا باعث ہو۔[8] قدامت Prescription کی بابت المورد میں لکھا ہے۔

اکتساب حق ما بحكم التمتع به مدة من الزمان يعينها القانون حق مكتسب بمرور الزمان۔[9]

ایسا حق جو کسی شئے کو قانون میں متعین کردہ مدت کے دوران استعمال کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ یا ایسا حق جو مدت گذرنے کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔ Osborn's concise law dictionary کا مصنف لکھتا ہے۔

Prescription: The vesting of right by reason of lapse of time. Negative prescription is the devisting of right by the same process.[10]

حق قدامت یہ ہے کہ کسی کو مدت دراز گذرنے کی وجہ سے کوئی حق حاصل ہو جائے۔ اسی طرح منفی حق قدامت یہ ہے کہ کوئی اسی طرح حق سے محروم ہو جائے۔

حقِ قدامت دراصل ایک قسم کا قطعی حق ہے جو ایک مخصوص عرصہ تک کسی حق کو استعمال کرنے سے پیدا ہوتا ہے ایسے حق کا استعمال مخصوص طریقوں سے ہو سکتا ہے کسی حق کو طویل عرصہ تک حاصل کرنے سے حق قدامت سامنے آتا ہے باالفاظ دیگر ایک شخص جو طویل عرصہ سے ایک حق استعمال کر رہا ہے قانون اس کے اس حق کے تحفظ کے لئے حق قدامت دیتا ہے۔ حق قدامت ایسی میعاد کا تعین کرتا ہے جس کے اختتام کے ساتھ ہی چارہ جوئی کا حق ختم ہو جاتا ہے اور ملکیت کے حوالے سے ایک مستقل حق یا تو ختم ہو جاتا ہے یا جنم لیتا ہے۔ لاہور ہائی کورٹ نے قانون میعاد سماعت اور حق قدامت کے درمیان اس طرح فرق کیا ہے۔

The difference between limitation and prescription is that limitation bar the remedy but does not extinguish the right but under the law of prescription the right itself may be extinguished.[11]

میعاد سماعت اور حق قدامت میں یہ فرق ہے کہ میعاد سماعت حق کو ختم نہیں کرتا بلکہ چارہ کار پر بار پیدا کرتا ہے جبکہ قانون حق قدامت میں حق بذات خود ختم ہو سکتا ہے۔

قانون میعاد سماعت کے تحت قانونی چارہ جوئی متاثر ہوتی ہے اور قانون کسی صورت میں بھی کسی شخص کے حقوق پر اثر انداز نہیں ہوتا اور اس قانون کا تعلق ضابطہ کار سے ہے لیکن قانون حق قدامت چونکہ اصلی حق کو متاثر کرتا ہے اس لئے یہ قانونِ اصلی کا حصہ ہوتا ہے۔ مذکورہ دونوں ضوابط کے باہمی فرق کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

- قانون میعاد سماعت عرصۂ سماعت کو محدود کرتا ہے جس کے بعد کوئی دعوی یا کاروائی کسی عدالت انصاف میں قائم نہیں رہ سکتی جبکہ حق قدامت ایک مخصوص وقت تک حق حاصل کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے جس کے بعد اصل حق ختم ہو جاتا ہے۔
- قانون میعاد مقررہ وقت کے بعد عدالتی چارہ جوئی پر پابندی عائد کرتا ہے۔ جبکہ حق قدامت صرف عدالتی چارہ جوئی پر پابندی نہیں لگاتا بلکہ ایک شخص کا حق ختم کرکے دوسرے کا حق پیدا کرتا ہے۔

---

8 qānūnī lughat, p.387.
9 al-maūrid, p.720, bazaīl mādah prescription
10 Osborn's Concise Law Dictionary by Roger Bird, 7th Ed., p.261, Sweet & Maxwell, London, 1983
11 973PLD 207

- قانون میعاد سماعت صرف عدالتی چارہ جوئی پر پابندی لگاتا ہے غیر عدالتی چارہ جوئی پر کوئی پابندی نہیں لگاتا جبکہ حق قدامت ہر قسم کی چارہ جوئی پر پابندی لگاتا ہے۔
- قانون میعاد سماعت صرف اسی شخص کو عدالتی چارہ جوئی کا حق دیتا ہے جس کے حقوق پامال ہوئے ہوں جبکہ حق قدامت مخالف دعویداروں کے درمیان متصادم حقوق کی اصل کو متاثر کرتا ہے اور مستقل قوانین کی فہرست میں شامل کرتا ہے۔
- قانون میعاد سماعت کو منفی قانون بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ قانون ایک شخص کو اس اختیار سے محروم کر دیتا ہے جس کا وہ پہلے مالک تھا جبکہ حق قدامت کو مثبت قانون کہا جاتا ہے جو ایک شخص کو ایسا حق دیتا ہے جو وہ بلحاظ استحقاق نہیں بلکہ واقعتاً استعمال کرتا رہا ہے۔
- آخر میں یہ کہ قانون میعاد سماعت کا اصل مقصد قانونی چارہ جوئی کو ختم کرنا ہے اور مقدمہ بازی کی حوصلہ شکنی کرنا ہے تاکہ مدعی علیہ اور عدالت کا وقت ضائع نہ ہو جبکہ حق قدامت رواج پر مبنی ہے اس قانون کی بنیاد یہ ہے کہ معاشرہ نے اگر ایک خاص حق کی اجازت دے دی ہے تو بعد میں اس کو ختم نہیں کیا جاسکتا جب کہ اس حق کو واپس لینے والے کو بہت تاخیر ہو گئی ہو۔

قانون میعاد سماعت اور اصول رضامندی

رضامندی(Acqiucescence)، قبولیت، تسلیم اور موافقت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔[12] قبولیت اور موافقت صریحی بھی ہو سکتی ہے اور معنوی بھی۔جب کسی شخص کو اپنی حقیّت کا پورا علم ہو اور اس کی حقیّت کسی دوسرے شخص کے فعل سے متاثر ہوتی ہو اور وہ شخص اس کے باوجود بوقت خلاف ورزی یا اس کے بعد اپنی حقیّت کے نفاذ کے لئے چارہ جوئی اختیار نہ کرے تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس شخص نے اپنے اس فعل یا ترک فعل کی بنا پر دوسرے شخص کو یہ باور کرایا ہے کہ وہ اپنی حقیّت سے دست بردار ہو گیا۔لہذا کہا جائے گا کہ اس نے دوسرے شخص کی حقیّت کو معنوی طور پر قبول کر لیا ہے اور اپنے حق چارہ کار قانونی کو زائل کر دیا ہے۔[13] یہ بات عقل سلیم سے بھی موافقت رکھتی ہے کہ اگر ایک شخص باوجود استحقاق رکھتے ہوئے خاموش رہتا ہے اور دوسرے شخص کو اپنے حق کے خلاف کام کرنے کی اجازت دیتا ہے اور دوران فعل کوئی اعتراض نہیں کرتا تو ایسے شخص کو بعد میں بھی کوئی اعتراض کا حق نہیں ہونا چاہیے۔قانون میعاد سماعت اور اصول رضامندی کا اگر باہم موازنہ کیا جائے تو مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

- قانون میعاد سماعت قانونی چارہ جوئی کا حق ختم کرتا ہے جبکہ اصول رضامندی سے اکثر اوقات حق ہی ختم ہو جاتا ہے۔
- قانون میعاد سماعت موضوعہ قانون ہے جبکہ اصول رضامندی ایک ذاتی فعل ہے۔
- قانون میعاد سماعت کے قواعد ناقابل تغیر ہیں جبکہ رضامندی کے اصول بدل سکتے ہیں۔
- قانون میعاد سماعت صرف مدعی کی حد تک جبکہ اصول رضامندی مدعی اور مدعی علیہ کے خلاف مؤثر ہو سکتا ہے۔

قانون میعاد سماعت اور امر مانع تقریر مخالف

امر مانع تقریر مخالف(Estoppel) کی بابت قانون شہادت آرڈر میں لکھا گیا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے بیان یا کسی فعل یا ترک فعل سے عمداً سبب بنے یا کسی اور شخص کو کسی شئے کو صحیح ہونے کا یقین دلایا اور اس یقین پر عمل بھی ہونے دیا تو ایسے شخص یا اس کے قائمقام قانونی کو اس بات کی اجازت نہ ہو گی کہ وہ کسی مقدمہ یا کاروائی میں جو اس کے قائمقام اور اس شخص کے مابین ہو، اپنی جواب دہی میں اس بات کی صداقت سے انکار کرے۔[14]

---

[12] al-maūrid, bazaīl mādah acquiscence, p.25
[13] qānūnī lughat, bazaīl mādah acquiescence, p.17
[14] Qanun-e-Shahdat, 1984, Article 114, P.238, Mansoor Book ‹House, Lahore, 2001.

قانون میعاد سماعت اور امر مانع تقریر مخالف دونوں ایک شخص کو کسی عدالتی چارہ جوئی سے محروم کرتے ہیں ایک شخص جب کوئی ایسا اقرار کرلیتا ہے جو کسی حق کے حوالے سے ہو اور وہ اقرار اس پر مؤثر ہو تو وہ بعد میں اس سے انحراف نہیں کر سکتا اور سابقہ اقرار اس کے لئے قابل پابندی ہوگا یہی امر مانع تقریر مخالف ہے۔ قانون میعاد سماعت اور امر مانع تقریر مخالف دو الگ الگ موضوعات ہیں۔ قانون میعاد سماعت کے تحت کسی دعوی کے دائر کرنے کا حق زائل ہو جاتا ہے جبکہ امر مانع تقریر مخالف کسی خاص شہادت کے حق کو ختم کرتا ہے۔ قانون میعاد سماعت اس وقت حرکت میں آتا ہے جب کوئی شخص اپنے کسی حق کی پرواہ نہیں کرتا اور غفلت سے مقررہ میعاد کے اندر اس حق کے متعلق دعوی دائر نہیں کرتا جبکہ امر مانع تقریر مخالف ایک ایسا قاعدہ ہے جس کے تحت کوئی شخص ایک ہی معاملہ کے سلسلہ میں دوسری مرتبہ برعکس شہادت نہیں دے سکتا باالفاظ دیگر میعاد کا قانون عدالت کے اختیار سماعت کا تعین کرتا ہے جبکہ امر مانع تقریر دوران سماعت مقدمہ کسی فریق کو سابقہ بیان کے برعکس بیان دینے سے روکتا ہے اس قاعدہ کے مطابق کسی فریق کو یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ کسی وقت کچھ کہے اور کسی وقت اس کے متضاد بیان دے۔

قانون میعادِ سماعت کی حیثیت

قانون میعاد سماعت کا مقصد یہ ہے کہ مستعد افراد کی مدد کی جائے۔ مقدمے میں شامل ایک ایسے شخص کی مدد نہیں کی جاسکتی جو اپنے حقوق کو بھول کر خواب غفلت میں ہو، متعلقہ شخص کو البتہ اپنے مفاد کی خلاف ورزی سے آگاہ کیا جانا چاہیے اور ایسی آگاہی بطور ایک امر واقع کے تعین کی جانی چاہیے۔[15] میعاد کا قانون ایک ضابطے کا قانون(Procedural Law)ہے۔[16]

قانون میعاد سماعت ضابطے کی بجائے قانونِ اصلی(Substantive Law)ہے۔[17] جسٹس (ر) محمد تقی عثمانی نے مقدمہ مقبول بنام حکومت پاکستان میں قانون میعاد سماعت دفعہ نمبر 28 کے تحت قبضۂ مخالفانہ(Adverse Possession)کی بحث کو سمیٹتے ہوئے یہ رائے دی۔ مذکورہ فیصلے کے تحت دفعہ نمبر 28 منسوخ قرار پائی۔ میعاد کا قانون ان معاملات پر اطلاق پذیر نہیں ہوتا جن پر اس کا اطلاق نہ کیا گیا ہو اور ایسے قوانین جن کا اثر موجود استحقاق کو ختم کرنا ہو ان کا اطلاق اس طرح ہونا چاہیے کہ جو حقوق طلب کیے جارہے ہوں ان کے حق میں استعمال کئے جائیں۔[18] ہر موقف اس فورم کے روبرو پیش کیا جانا چاہیے جیسے استحقاق کے بارے میں فیصلہ دینے کا حق ہے اور یہ موقف اس میعاد کے اندر پیش کرنا چاہیے جو قانون میعاد سماعت میں مقرر کی گئی ہے۔[19] ایسی دادرسی جس کا کوئی فریق حقدار ہو وہ قانون میعاد سماعت کے تابع ہوگی کیونکہ ہر چارہ گر کے متعلق یہ باور کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے حقوق اس میعاد کے اندر طلب کر سکتا ہے جو قانون کی رو سے مقرر کئے گئے ہیں اور میعاد کا تعین اس امر کا لحاظ کیے بغیر کیا جائے گا کہ کیا فریق مخالف نے میعاد کا عذر لیا ہے یا نہیں۔[20] قانون میعاد سماعت 1908 کی بعض دفعات چونکہ کسی ایک فریق کو اس کے قیمتی استحقاق سے محروم کر دیتی ہیں اس لئے جب تک اس کی دفعات واضح اور بلاشک وشبہ نہ ہو، ایک ایسی تعبیر کی جانی چاہیے جو اس فریق کے حق میں جاتی ہو جس کا قیمتی استحقاق ضائع ہو رہا ہو۔[21]

دیوانی و فوجدار مقدامات میں تحدید مدت

پاکستان میں رائج قانون میعاد سماعت 1908ء یا اس سے ملتے جلتے قوانین جو بعض جدید ترقی یافتہ ممالک میں Limitation Act کے نام سے رائج و نافذ ہیں ان کی تاریخ کیا ہے اور یہ کہ کیا وہ غیر اسلامی ہیں اور اگر یہ غیر اسلامی ہیں تو دیوانی و فوجداری معاملات میں چارہ جوئی کے لئے

[15] 1993CLC 692
[16] 1993MLD 2126
[17] 1991SCMR 2063
[18] 1992PLD 117
[19] 1993PLD Pesh.81
[20] 1936PLD Pesh. 81
[21] 1994MLD 1955

میعاد کے تعین نہ ہونے سے جو عملی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ان کا تدارک کیسے کیا جائے۔ اگر یہ قوانین غیر اسلامی نہیں ہیں تو ان کے اسلامی شریعت سے موافقت و مطابقت کے کیا دلائل ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ مقدمات کی سماعت کے لئے کوئی میعاد مقرر کرنا اصولی طور پر درست اور غیر متنازعہ امر ہے جس پر شرعی لحاظ سے کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔[22]

اگر بات صرف اتنی ہو کہ مقدمات کی سماعت کے لئے قانون کی طرف سے کوئی مدت مقرر کر دی جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مقررہ مدت کے بعد عدالتیں سماعت مقدمہ سے انکار کر دیں گی تو بات اصولی طور پر درست ہے۔ لوگوں کو اگر کھلی چھٹی دے دی جائے کہ وہ سینکڑوں سال پرانے تنازعات کو جب چاہیں زندہ کر کے عدالت پہنچ جایا کریں تو اس سے لامحدود مقدمہ بازی کا دروازہ کھل جائے گا اور عدالتوں کے لئے نہ صرف یہ کہ ایسے پرُانے تنازعات کو نمٹانا ممکن نہ ہوگا۔ اسی لئے مختلف اسلامی حکومتوں میں بھی مقدمات کی سماعت کے لئے مختلف مدتیں مقرر کی جاتی رہی ہیں۔

القضاء مظہر لا مثبت ولا یتخصص بزمان و مکان و خصومة حتی لو امر السلطان بعدم سماع الدعوی بعدخمسة عشر سنة فسمعها لم ینفذ، قلت فلا تسمع الآن بعدها إلابأمر۔[23]

قضاء معاملات کو ظاہر کرتا ہے ثابت نہیں کرتا اور نہ ہی یہ زمان و مکان اور تنازعات سے مخصوص ہے حتی کہ پندرہ سال گذرنے کے بعد حاکم کے دعوی کے عدم سماعت کے حکم کے باوجود اسے سنا جائے تو اس کا نفاذ نہ کیا جائے میری رائے (ابن عابدینؒ) یہ ہے کہ ایسے دعوی کو حکم خصوصی کے بعد سنا جائے۔

واذا ترک الدعوی ثلاثة و ثلاثین سنة ولم یکن مانع من الدعوی ثم ادعی لا تسمع دعواه لأن ترک الدعوی یدل علی عدم الحق ظاہراً۔[24]

کوئی شخص اگر تینتیس سال تک بغیر کسی عذر شرعی کے دعوی دائر نہ کرے تو اس مدت کے بعد اس کا دعوی قابل سماعت نہ رہے گا۔ کیونکہ اسطرح دعوی ترک کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کا حق نہیں ہے۔

امام سرخسیؒ المتوفی 483ھ خلافت عباسیہ کے زمانے کے ہیں لہذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت عباسیہ کے زمانے میں بھی میعاد سماعت کا تصور موجود تھا۔ بعد میں حنفی فقہاء کرامؒ نے مقدمات کی سماعت کے لئے زیادہ سے زیادہ مدت چھتیس سال مقرر کی جس کے بعد کوئی دعوی قابل سماعت نہیں رہتا۔

قال المتأخرون من أهل الفتوىٰ لا تسمع الدعوى بعد ست و ثلاثين سنة الاأن یکون المدعی غائبا أوصبیا ولیس لہا ولی المدعی أو المدعی علیه أمیرا جائرا۔ [25]

اہل فتوی میں سے بعد والے افراد کی رائے یہ ہے کہ چھتیس سال کے بعد دعوی کی سماعت نہ کی جائے مگر یہ کہ مدعی موجود نہ ہو، نابالغ ہو اور اس کا کوئی ولی بھی نہ ہو یا مدعی علیہ کوئی جابر حاکم ہو (ایسی صورت میں دعوی کی سماعت کی جا سکتی ہے۔

خلافت عثمانیہ کے دور میں پندرہ سال کی میعاد سماعت مقرر کی گئی اور حکم یہ دیا گیا کہ میراث اور وقف کے علاوہ کوئی بھی مقدمہ بنائے دعوی قائم ہونے کے پندرہ سال بعد قابل سماعت نہ ہوگا نیز خلافت عثمانیہ کے آخری دور میں جب اسلامی قوانین پر مشتمل دیوانی قانون مجلۃ الاحکام العدلیۃ کے نام سے مدون کیا گیا تو اس میں بھی مقدمات کی سماعت کے لئے میعاد کا تعین کیا گیا اور اس کی دفعات نمبر 1772، 1771، 1770 میں

---

22 ibni ´abidīn, muhammad amin, al-shamī, rad al-mukhtār ´alal-durri al-mukhtār, 3/342, kitāb al-qaḍā´, matlab al-qaḍā yaqbalu al-taqyīīd wa al-ta´līq, dār al-turath al-islāmī, baīrūt

23 ibid

24 ibid

25 ibid

عام مقدمات کے لئے پندرہ سال اور وقف کے مقدمات کے لئے چھتیس سال کی میعاد مقرر کی گئی۔ قرآن وسنت کی روسے اس مدت پر کوئی قابل ذکر اعتراض نہیں ہوا بلکہ جب خلافت عثمانیہ میں پندرہ سال کی مدت مقرر کی گئی تو ابن عابدین الشامیؒ نے نقل کیا ہے کہ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی چاروں مکاتب فکر نے یہی فتویٰ دیا کہ اس مدت کے بعد ماسوائے خصوصی احکامات کے کسی مقدمہ کی سماعت نہیں ہوسکتی۔

مختلف مقدمات میں مدت کے تعین میں کمی بیشی سے متعلق تو بحث ہوسکتی ہے کہ کس نوعیت کے مقدمہ میں کتنی مدت مناسب ہے لیکن جہاں تک تعلق ہے اس اصول کا کہ مقدمات کی سماعت کے لئے کوئی میعاد مقرر ہونی چاہیے، درست اور غیر متنازعہ ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ میعاد سماعت کا یہ تعین اسی وقت جائز اور درست ہوگا جب عدالتوں کی عملی دشواریوں پر قابو پانے کے لئے اس کا اثر صرف اتنا ہو کہ اس مدت کے بعد عدالتوں میں کوئی دعوی قابل سماعت نہیں ہوگا، اور اس سے فریقین کے حقوق اور ذمہ داریاں متأثر نہ ہوں گی۔

جن فقہاء کرام یا اسلامی حکومتوں نے مقدمات کی سماعت کے لئے کوئی میعاد مقرر کی تو انہوں نے ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ یہ میعاد مقرر کرنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مدت دراز گذرنے کے بعد مقدمات میں مکر وفریب، جعلسازی اور جھوٹی گواہیوں کا امکان بڑھ جاتا ہے اگر عدالتیں ایسے مقدمات کی سماعت شروع کردیں تو بے شمار لاینحل مسائل کھڑے ہوجائیں گے۔ لیکن اس اصول کے تحت اگر کسی عدالت نے کسی کے حق کا تصفیہ کرنے سے انکار کردیا تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اس کا حق موجود ہی نہیں بلکہ وہ حق اس انکار کے باوجود باقی ہے اور جس کے ذمے حق ہے اس پر شرعا اور اخلاقاً فرض ہے کہ وہ اسے حق دار تک پہنچائے خواہ کتنا طویل زمانہ گذر چکا ہو اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو عدالت خواہ اسے کچھ نہ کہے لیکن وہ سخت گناہ گار ہے۔[26]

متعدد نصوص وارد ہوئی ہیں جن سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ جس شخص نے کسی دوسرے کے حق پر قبضہ کرلیا ہو وہ مالک کی مرضی کے بغیر کسی صورت میں جائز قرار نہیں دیا جاسکتا اور قابض کو حقیقی ملکیت کا تقدس کبھی حاصل نہیں ہوسکتا خواہ اس ناجائز قبضے پر کتنی ہی طویل مدت کیوں نہ گذر گئی ہو چنانچہ فقہاء کرامؒ نے قرآن وسنت کی روشنی میں یہ قاعدہ وضع کیا ہے کہ حق زمانے کے گذرنے سے ساقط نہیں ہوتا۔ الحق لا یسقط بتقادم الزمان ۔ [27]

سماعت مقدمہ کے لئے فقہائے کرامؒ نے مختلف مدتیں مقرر کی ہیں لیکن ساتھ ہی انہوں نے یہ واضح کردیا ہے کہ اس مدت کے گذرنے سے عدالتی چارہ جوئی کا راستہ تو بند ہوجاتا ہے لیکن کسی حق دار کا حق ختم نہیں ہوتا۔ ابن عابدین الشامیؒ تحریر کرتے ہیں کہ میعاد سماعت کا یہ تعین اس بنا پر نہیں کیا گیا کہ اس مدت کے گذرنے سے حق ختم ہوجاتا ہے بلکہ اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ قاضیوں کو دعوی کی سماعت سے روک دیا گیا ہے تاکہ جعلسازی اور مکر وفریب کا سد باب ہوسکے لیکن آخرت کے لحاظ سے حق، حق دار ہی کا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر مدعی علیہ اقرار کرلے تو اس پر حق کی ادائیگی لازم ہوجائے گی۔[28] طویل قبضہ اگرچہ حق ملکیت کی علامت ہوتا ہے، اس سلسلے میں آپ ﷺ کی ایک حدیث بھی نقل کی جاتی ہے کہ جو شخص کسی زمین پر دس سال تک قابض رہے وہ اس کی ہے۔[29] محدثین کرامؒ نے اس حدیث کے بارے میں کلام کیا ہے بالخصوص حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے جرح کی ہے اس حدیث کا تمام تر دارومدار عبدالجبار بن عمر ایلی پر ہے جس کو ابن حجرؒ نے ناقابل اعتبار بتایا ہے۔[30]

---

26 1991SCMR 2063

27 alī haīdar, dar al-hukām sharah al-ahkām, al-mādatu 14, 279/1674, dār al-kutub al-´ilmiyah, baīrūt, 1991

28 rad al-mukhtar, 3/343

29 alī al-muttaqī, ´alāuddīn, kanz al-umāl fī sunan al-aqwāl wal-af´āl, al-kitāb al-rabi´u min harfi al-hamzah fī ahyā´ al-mawāt, fil ahkāmi min al-akmāli, hadīth no, 3, 898/9088, mū´sisatu al-risālatu baīrūt, 1979

30 ibni hajar, hafiz, ´asqalānī, tahzīb al-tahzīb, 6/4-103, min ismihi ´abdul jabbār, 1st publishing,

مذکورہ حدیث استنادی طور پر درست بھی ہو تو اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ اس سے کسی کا حق ملکیت پیدا ہوتا ہے یہ ایک مفروضہ ہے کہ اتنا طویل قبضہ حق ملکیت کو ظاہر کرتا ہے اگر کوئی دوسرا شخص اس زمین پر اپنی ملکیت کا دعوی کردے تو بار ثبوت مدعی پر ہوگا کہ وہ ثابت کرے کہ وہ زمین اس کی ہے۔اس کا مطلب یہ نہیں ہے طویل عرصہ تک ناجائز قبضہ کرکے حقیقی مالک بن جائے۔ابن فرحونؒ فرماتے ہیں:

وأنماحيازة التقادم الذى جاء فيها الأثر من حاز على خصمه شيئاعشرين سنة فهو أحق به منه فيما يجوزالناس من اموال بعضهم على بعض من اجل أن الحائز لذلک يستغنى بالحيازة عن اصل الوثيقة التى صار بها اليه ذلک من شراء او هبه ولا تکون الحيازه فى افعال الضرر۔۔۔ولا تکون الحيازه فى افعال الضرر حيازة، بل لا يزيد تقادم الضرر الاظلما وعدوانا۔ [31]

کسی دوسرے کو نقصان پہنچا کر قبضہ کرنا اس قبضے یعنی ملکیت میں داخل نہیں، ضرر رسانی خواہ کتنی قدیم ہو جائے زمانے کے گذرنے سے اس کے ظلم اور زیادتی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

مقررہ میعاد کے دوران دعوی دائر نہ کرنا

کسی شخص کا طویل عرصے تک اپنی جائیداد کسی کے قبضے میں دیکھتے رہنا اور اس کے خلاف کوئی مقدمہ دائر کئے بغیر خاموش رہنا قطعی اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ اپنے حق سے دست بردار ہو گیا ہے، باالفاظ دیگر یہ اصول وضع کرلینا کہ مقررہ میعاد سماعت کے دوران دعوی دائر نہ کرنا جائیداد سے دست برداری کے مترادف ہے، ایک غلط نتیجہ ہے۔ دعوی دائر نہ کرنے کے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں۔عدالتوں میں مقدمات اور بالخصوص دیوانی مقدمات میں جتنا روپیہ محنت اور وقت صرف ہوتا ہے اس کے پیش نظر دعوی دائر کرنے سے اجتناب کو ہر گز دست برداری سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔چند مستثنیات کو چھوڑ کر شریعت کا عام قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص خاموش ہو اس کی طرف کوئی قول منسوب نہیں کیا جاسکتا۔لا ينسب الى الساكت قول۔[32]

کسی واقعہ پر مدت دراز گذرنے کے اثرات

حنفی فقہاء کرامؒ نے اس امر کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے کہ جس واقعہ پر مدت دراز گذر چکی ہو تو اس کے کیا اثرات ہوں گے۔اس ضمن میں پہلی بات تو یہ ہے کہ حقوق دو قسم کے ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد۔اگر ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہے تو یہ مدت گذرنے کی وجہ سے باطل ہو جائیں گی۔اس تقادم کا اثر یہ ہوگا کہ ملزم کے خلاف نہ حدود کا مقدمہ دائر کیا جائیگا اور نہ ہی انہیں اس جرم کی سزا دی جائے گی لیکن اگر اس تقادم کا تعلق حقوق العباد سے ہے تو یہ تقادم خواہ اس کی مدت کتنی ہی دراز کیوں نہ ہو تو یہ حقوق اس تقادم کی وجہ سے متأثر نہ ہوں گے۔ابن نجیمؒ بحر الرائق میں لکھتے ہیں:

والاصل أن الحدود الخالصة حقالله تعالى تبطل بالتقادم،والتقادم غيرمانع فى حقوق العباد۔[33]

اصول یہ ہے کہ حدود خالصتاً اللہ تعالی کا حق ہیں اس لئے تقادم (مدت دراز گذرنے) کے باعث باطل ہو جائیں گی لیکن حقوق العباد تقادم کی وجہ سے کالعدم نہیں ہوں گے۔

---

majlis dāīrah al-ma´ārif al-nizāmiyah al-kāinah, haīdar ābād, 1326 a.h.

31 ibni farhūn, burhān al-dīn, abū al-wafā ibrāhīm bin abū ´abdullah, tabşartu al-ahkām fī aşūli al-aqzīyatu wa manāhiji al-ahkām, p.255, matbūatu makkah mukarmah

32 al-hamwī, ahmad bin Muhammad, ghamzi ´uyūn al-başā´ir sharah al-ishbāhi wa al-nazā´ir li ibni najīm, 1/382, idāratu al-qur´ān wal ´ulūm al-islāmiyah, karāchī, 1418 a.h.

33 al-bahar al-rā´iq, 5/21 to 22

البتہ جمہور فقہاء یعنی مالکیؒ، شافعیؒ اور حنبلیؒ کا موقف یہ ہے کہ حدود یعنی حقوق اللہ میں بھی تقادم ہے اور مدت دراز گذرنے کے باوجود اگر شہادت سے جرم ثابت ہو جائے حد نافذ کی جائے گی۔[34] دیوانی معاملات میں دعوی جات زائد المیعاد ہونے اور جائیداد پر غاصبانہ قبضہ سے اصل حق ختم نہیں ہوتا۔ غاصب، غاصب ہی رہے گا۔ مدت دراز گذرنے سے اس کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی البتہ مفاد عامہ کے پیش نظر عدالتی چارہ جوئی کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ علامہ مرغینانیؒ نے اپنی معروف تصنیف الہدایۃ میں اسی رائے کا اظہار کیا ہے جو ابن نجیمؒ نے دی ہے۔[35]

کویت کی وزارت اوقاف کی جانب سے شائع ہونے والا الموسوعة الفقهية میں تقادم کے ذیل میں لکھا ہے۔ جس بات کی طرف میں آپ کی توجہ مبذول کرنا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ مدت طویل تک کسی غاصب کا کسی جائیداد پر قابض رہنا شریعت اسلامی کی رو سے اسے مالک نہیں بنا دیتا کیونکہ یہ غاصبانہ قبضہ شریعت میں ان اسباب میں سے نہیں ہے جس سے کسی جائیداد کی ملکیت ثابت ہوتی ہے اور یہ غاصبانہ قبضہ خواہ کتنا ہی طویل ہو اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔[36] الفقہ الاسلامی وأدلتہ کے مصنف نے بھی تقادم کے مسئلے کو اپنی گفتگو کو موضوع بحث بنایا ہے:

> وكذلك لايقرالاسلام مبداء التقادم المسقط على أنه مسقط للحق بترك المطالبة به مدة۔ طويلة فاكتساب الحقوق وسقوطها بالتقادم حكما ينافى العدالة والخلق ويكفى فى ذلك أن يصير الغاصب أو السارق مالكاً۔[37]

> اسلام ایسے تقادم کو تسلیم نہیں کرتا جو کسی حق کو ساقط کرنے والا ہو یعنی اگر مالک طویل مدت تک غاصب سے اپنی چیز واپس لینے کا مطالبہ نہ کرے تب بھی اس کا حق ملکیت اس تقادم کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتا۔ لہذا تقادم کی وجہ سے نہ کوئی حق ثابت ہوتا ہے اور نہ ساقط ہوتا کیونکہ تقادم کے ذریعے کسی حق کا ثابت ہونا یا کسی ثابت شدہ حق کا ساقط ہونا ایسا حکم ہے جو عدالت اور خلق دونوں کے منافی ہے اور اس مبداء کی یہ خرابی ہی اس کو کالعدم کرنے کے لئے کافی ہے کہ یہ غاصب اور سارق کو کسی چیز کا مالک بنا دیتا ہے۔

کسی غیر کی مملوکہ جائیداد پر غاصبانہ قبضہ کتنا ہی طویل مدت کے لئے ہو یہ ان شرعی اسباب میں سے نہیں جن سے کسی چیز کی ملکیت حاصل ہوتی ہے کیونکہ اسلام تقادم کو ملکیت کا سبب قرار نہیں دیتا البتہ یہ اصلی مالک کے دعوی کو نہ سننے کا سبب ضرور ہے تاکہ قاضیوں کا وقت بچایا جاسکے اور اس چیز کے اصلی مالک کا حق ثابت کرنے کے لئے فنی مشکلات پیدا کرنے سے گریز کیا جائے کیونکہ اصل حق میں بھی مالک کی طویل خاموشی سے شک پیدا ہو گیا ہے لیکن اس کا حق ملکیت ہمیشہ برقرار رہے گا اور دینی اعتبار سے اس قابض پر فرض ہے کہ وہ اس کی چیز واپس کر دے کیونکہ کسی غیر کی مملوکہ جائیداد پر غاصبانہ قبضہ کسی صورت میں بھی اس کو شرعی مالک نہیں بناتا۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ سوال ہو سکتا ہے کہ جب فقہ اسلامی کی رو سے مناسب میعاد سماعت مقرر کرنے کی شریعت میں اجازت ہے اور میعاد گذرنے کے بعد کوئی حقدار عدالتی چارہ جوئی کے ذریعے اپنا حق بذریعہ عدالت وصول نہیں کر سکتا تو اس کا یہی مطلب ہونا چاہیے کہ اس کا حق ہی ختم ہو گیا کیونکہ اس حق کو وصول کرنے کا کوئی راستہ اس کے پاس موجود نہیں رہا۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ میعاد سماعت گذرنے کے باوجود اس کا حق باقی ہے تو یہ محض ایک نظریاتی سی بات ہو کر رہ جاتی ہے جس کا عملی دنیا سے کوئی تعلق نہیں لہذا اس پر اتنا زور دینے کی کیا ضرورت ہے۔ اس

---

34 ibni qadāmah, ´abdullah bin ahmad, al-mughnī, kitāb al-shahādāt, 9/145, maktabah al-rīyāz al-hadithiyah, al-rīyāz, 1980

35 murghinānī, alī bin abī bakar, al-hidayāh, kitāb al-hudūd, bāb al-shahādatu ´alazzinā´ wa al-rujū´i ´anhā, al-maktabtul ´arabīyah, karāchī

36 al-maūsū´atu al-faqīhah, 3/116

37 wahabah al-zuhaīlī, al-daktūr, al-fiqhatul islāmī wa adillatuhu, 4/2906, 4th pulishing, dār al-fikir, damishq, 1997

سوال کا جواب یہ ہے کہ میعاد سماعت گذرنے کا اثر صرف یہ ہوتا ہے کہ عدالتی چارہ جوئی کا دروازہ بند ہو گیا ورنہ حق دار کا حق باقی رہتا ہے اس سے متعدد اہم نتائج برآمد ہوتے ہیں جنکی اہمیت کو کسی طرح بھی کم نہیں کیا جا سکتا۔

- میعاد سماعت گذرنے کے بعد بھی جو شخص کسی جائیداد پر قابض رہتا ہے وہ آخرت کے احکام کے لحاظ سے سخت گناہ گار ہے اور اس پر شرعاً، اخلاقاً اور دیانتاً واجب ہے کہ وہ یہ مغصوبہ جائیداد اصل مالک کو لوٹادے اور دیکھنے والے بھی اس کے ساتھ غاصب کا سلوک کریں گے۔
- ایک نتیجہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ اعتراف کرلے کہ وہ طویل عرصہ سے جس جائیداد پر قابض ہے در حقیقت وہ اس کی نہیں ہے بلکہ وہ میعاد سماعت گذر جانے سے فائدہ اٹھا رہا ہے تو اس کے اس اعتراف کی بنیاد پر شرعاً عدالت بھی جائیداد اس کے اصل مالک کو لوٹا سکتی ہے۔
- تیسرا نتیجہ یہ ہے کہ اگرچہ میعاد سماعت گذرنے کے بعد عدالت تو ایسے مقدمات کو سننے سے انکار کردے گی لیکن اگر اصل مالک کسی اور ذریعے سے اپنا حق وصول کرنا چاہے تو شرعاً اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے بلکہ فقہاء کرامؒ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر ثالثی کا ایسا فیصلہ عدالت کے سامنے آئے تو عدالت اس فیصلے کو نافذ کرسکتی ہے۔
- چوتھا نتیجہ یہ ہے کہ اگر اصل مالک میعاد سماعت گذرنے کے بعد کسی طرح خود جائیداد پر قبضہ حاصل کرلے اور غاصب کا قبضہ ختم ہو جائے تو شرعاً غاصب اس بنیاد پر دعوی نہیں کرسکتا کہ عرصہ دراز تک جائیداد اس کے تصرف میں تھی اور قبضہ مخالفانہ کی وجہ سے وہ مالک نہیں بن سکا تھا۔ جبکہ قانون میعاد سماعت کی روسے وہ دوبارہ قبضہ حاصل کرنے کے لئے مخالفانہ قبضے سے حاصل ہونے والی ملکیت کو بنیاد بنا سکتا ہے اور ایسی صورت میں اصل مالک یہ عذرداری پیش نہیں کرسکتا کہ اصل مالک وہ تھا۔

اس کے علاوہ بھی حق کے باقی رہنے کے بہت سے عملی نتائج نکل سکتے ہیں اس لئے یہ کہنا کہ میعاد سماعت گذرنے اور عدالتی چارہ جوئی کا دروازہ بند ہونے کے بعد حق کا باقی رہنا بے فائدہ ہے، درست نہیں۔ لہذا دعوی زائد المیعاد ہونے اور عدالتی چارہ جوئی کا دروازہ بند ہونے کے باوجود منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد پر اصل مالک کا حق رہتا ہے۔

فوجداری معاملات پر تقادم کا اثر

اسلام کا قانون تعزیرات تین طرح کے قوانین پر مشتمل ہے۔ جرائم حدود، قصاص ودیت کے قوانین اور جرائم تعزیر۔

حدود حد کی جمع ہے۔ یعنی ایسی متعین سزا جو بطور حق اللہ مقرر کی گئی ہو۔ اس تعریف میں حد متعین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سزا کی مقدار اور کیفیت متعین ہو اور اس کا کوئی اعلیٰ درجہ یا ادنی درجہ نہ ہو اور حق اللہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ افراد یا جماعت اس سزا کو ساقط نہیں کرسکتے۔ فقہاء کرام ان سب جرائم کو حدود کہتے ہیں اور ان کے ساتھ لفظ جرائم کا اضافہ کرتے ہیں۔ ان جرائم کی سزائیں بھی ان کے یہاں حدود ہی کہلاتی ہیں مگر ان کے ساتھ اس جرم کے نام کا اضافہ کرلیا جاتا ہے جس کی یہ سزا ہے۔

انسانی جسم پر کسی زیادتی کی صورت میں قصاص ودیت کے قوانین جاری ہوتے ہیں۔ انسانی جسم پر زیادتی کا بدلہ لینا اس شخص کا حق ہے جس پر یہ زیادتی ہوئی ہے۔ اس لئے قصاص ودیت کے جرائم کو صاحب حق معاف بھی کرسکتا ہے اس لئے اسے حق العبد کہا جاتا ہے۔ ایسے جرائم جن کا تعلق حدود وقصاص کے جرائم سے نہ ہو، تعزیرات کہلاتے ہیں۔ اسلامی قانون نے ایسے جرائم کی سزائیں مقرر نہیں کی ہیں بلکہ ان کو ہر معاشرے کے حالات اور ہر دور کی ضروریات کے مطابق قانون ساز اداروں اور عدلیہ کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ جہاں تک قصاص ودیت کے جرائم کا تعلق ہے تو جرم قتل کی شہادت اگر موخر ہو جائے تو شہادت کا یہ تقادم اس کی قبولیت سے مانع نہیں ہے۔ بالالفاظ دیگر قصاص ودیت کے جرائم میں

تقادم کا اثر نہیں ہوتا کیونکہ قصاص حق العبد ہے اور حقوق العبد مدت گذرنے سے ساقط نہیں ہوتے۔ جرائم حدود میں حد زنا، حد خمر، اور حد سرقہ میں تقادم کو تسلیم کیا گیا ہے۔ حنفی فقہاء کے نزدیک تقادم حد ساقط کرنے والا شبہ سے جبکہ جمہور کے نزدیک حدود میں تقادم شرط نہیں۔

محمد ابو زہرہؒ نے اس فقہی اختلاف میں تین آراء بیان کی ہیں۔اول یہ کہ اقرار یا شہادت میں تاخیر تمام جرائم کے اثبات میں شبہ پیدا کرتا ہے۔دوم یہ کہ مقدمات حدود میں شہادت بصورت تقادم رد ہو جائے گی اور اقرار کی صورت میں قابل قبول ہو گی۔امام ابو حنفیہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اقرار میں تاخیر سے شبہ پیدا نہیں ہوتا۔ سوم یہ کہ تقادم کا اصول تمام حدود میں جاری ہو گا یعنی اگر کسی جرم حد کے ارتکاب کے بعد عدالت کے روبرو اس کی شہادت زائد المیعاد ہو جائے اور اس مدت میں گواہ کے لئے گواہی دینا ممکن تھا تو یہ شہادت قابل رد ہو گی جبکہ امام محمدؒ کے نزدیک، ماسوائے حد خمر کا اقرار، قابل قبول ہو گا البتہ شہادت رد ہو گی یعنی حد خمر میں اعتراف کی صورت میں بھی تقادم ہے۔ اگر منہ سے شراب کی بو ختم ہو جانے کے بعد کوئی شخص عدالت کے سامنے یہ اعتراف کرے کہ اس نے فلاں وقت شراب پی تھی تو بھی اس پر حد شراب جاری نہیں ہو گی۔[38]

امام سرخسیؒ نے بھی تقادم کے ذیل میں مفصل گفتگو کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مدت گذر جانے کے بعد حد زنا اور اس طرح کی دیگر حدود جو حق اللہ ہوں، قائم نہیں کی جاسکتیں جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک مدت گذرنے کے باوجود بھی (جب بھی ثبوت فراہم ہو) حد قائم کی جائے گی۔ان کے نزدیک حدود بھی دیگر تمام حقوق کی طرح ہیں کہ حقوق ایک مرتبہ لازم آجائیں تو وہ صرف مدت گذرنے سے ساقط نہیں ہوتے گویا امام شافعیؒ نے بینہ یعنی ثبوت کو بھی اقرار ہی تصور کیا ہے کیونکہ حدود مدت دراز گذرنے کے باوجود اقرار کی بناپر جاری کر دی جاتی ہیں۔[39] امام موصوف کی رائے میں عدالت میں کسی جرم کے اثبات پر شہادت کا تاخیر سے پیش ہونا حد ساقط کرنے والا شبہ ہے جبکہ اقرار میں تاخیر شبہ نہیں ہے۔[40]

مذکورہ رائے دو اجزاء پر مشتمل ہے۔ایک یہ کہ عدالت کے روبرو شہادت پیش ہونے میں تاخیر حد ساقط کرنے والا شبہ اور دوسرا یہ کہ شہادت اور اقرار میں فرق۔مذکورہ بالا دونوں نوعیتوں کے احکام کی روشنی میں شاہد کے سامنے دو پہلو ہیں۔ایک یہ کہ وہ اللہ کی حدود کے نفاذ میں مدد دینے کے لئے اور جرم سے پیدا ہونے والے فساد کو ختم کرنے کے لئے معاشرے کی پامال شدہ اخلاقی حالت کو بحال کرنے کے لئے گواہی دے۔ دوسرا یہ کہ وہ ستر مسلم کو ترجیح دے بالفاظ دیگر شاہد گواہی کے معاملے میں اللہ اور معاشرے کا امین ہے اور اس پر لازم ہے کہ اس حق کو امانت و دیانت کے ساتھ ادا کرے اگر وہ یہ خیال کرے کہ عدالت کے سامنے گواہی دینا اصلاح معاشرہ کے لئے ناگزیر ہے تو اسے ضرور گواہی دینی چاہیے اور اگر وہ یہ خیال کرے کہ جرم ایک مسلمان کی لغزش ہے اور ایک مجرمانہ ذہنیت کا اقدام نہیں ہے تو اس کی لغزش پر پردہ ڈال دے۔ شاہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ دونوں پہلوؤں میں سے ایک کو فی الفور اختیار کرے کیونکہ بلاوجہ تاخیر دشمنی و عداوت اور کینہ پر مبنی رائے شمار ہو گی چونکہ وقوعہ کے وقت شاہد کو مشہود علیہ کے خلاف کوئی دشمنی یا عداوت نہ تھی اس لئے اس نے گواہی نہ دی اور خاموش رہا اور بعد میں جب کسی وجہ سے عداوت پیدا ہو گئی تو اس کے خلاف گواہی دے دی۔

حدود ثلاثہ یعنی حد سرقہ، حد زنا اور حد خمر شہادت میں تاخیر سے ساقط ہو جاتی ہیں جبکہ اقرار میں تاخیر حدود کو ساقط کرنے والا شبہ نہیں ہے اور تاخیر اقرار سے جرائم حدود کے اثبات پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ کوئی انسان اپنے آپ کو بلاوجہ تکلیف نہیں دینا چاہتا بالخصوص اسی صورت میں

38 muhammad abū zahrah, al jarīmatu wal ´uqūbatu fil fiqhatul islāmī, al-tuqādimu wa asarihi fil jarīmatullatī tuwajjibu haddan, p.225, dār al-fikir al-arabī, misir

39 al-sarkhasī, shams ud dīn, al-mabsūt, kitāb al-hudūd, 9/69, dār al-ma´rifah littabā´tu wan-nashar, baīrūt, 1978

40 al-jarīmatu wal ´uqūbatu fi fiqhatul islāmī, p.225

جبکہ اقرار ایک سخت سزا کی صورت میں ظاہر ہو۔اس کا مطلب ہے کہ اقرار کرنے والا اعتراف جرم کر کے آخرت کی سزا سے بچنا چاہتا ہے اور یہ اس کے ضمیر کا فیصلہ ہے۔امام محمد الشیبانیؒ کے نزدیک اقرار میں تاخیر حد خمر میں مؤثر ہے اور اقرار کی صورت میں اقرار قبول نہ کیا جائے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اجماع ہے کہ حد خمر کا اجراء اس صورت میں ہو گا جب اس کا ثبوت اس صورت میں ہو کہ مجرم کے منہ سے مئے نوشی کی بو آ رہی ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حد خمر کے نفاذ کے لئے یہ شرط عائد کی کہ مجرم کو اس حالت میں لایا جائے کہ اس کے منہ سے مئے نوشی کی بو آ رہی ہو اور ظاہر ہے مئے نوشی کے اقرار میں تاخیر کی صورت میں اس کے جسم اور عقل سے تمام اثرات زائل ہو چکے ہوں گے۔

قاضی ابن ابی لیلیٰؒ کی رائے میں شہادت اور اقرار میں تاخیر سے جرائم حدود ساقط ہو جائیں گے کیونکہ اسلام کا مقصود یہ ہے کہ مجرم جرم سے باز آئے اور اس کا اعادہ نہ کرے اور معاشرے کو بھی تنبیہ ہو اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب جرم کا اثبات اور سزا کا نفاذ فی الفور ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اقرار میں تاخیر مجرم کے خلوص نیت سے توبہ کرنے کی وجہ سے ہو اور عدالت میں اقرار اپنے آپ کو گناہوں سے پاک کرنے کے لئے کیا ہو ابن ابی لیلیٰ کی یہ رائے تفقہ کی حامل ہے کیونکہ فقہائے کرام نے تو اسے مانع سزائے حد قرار دیا ہے۔[41]

دیگر فوجداری مقدمات میں تقادم

فوجداری مقدمات میں مدت تقادم کی کمی بیشی کے بارے میں بھی فقہاء کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔امام محمد الشیبانیؒ سے ایک ماہ کی مدت بھی ملتی ہے۔یہی امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ سے بھی مروی ہے۔راجح قول یہ ہے کہ امام ابو حنفیہؒ نے تقادم کی کوئی مدت متعین نہیں کی اور ان سے تحدیدِ مدت کے لئے کہا گیا تو انہوں نے انکار کر دیا۔(۱)المبسوط میں امام سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ امام محمد الشیبانیؒ نے اپنی کتاب الاصل میں تقادم کی کوئی حد بیان نہیں کی۔امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے بہت کوشش کی کہ امام ابو حنیفہؒ سے تقادم کی کوئی مدت بیان کریں مگر انہوں نے تقادم کی تحدیدِ مدت بیان نہیں کی کیونکہ یہ ایسا معاملہ ہے جس میں لوگوں کے حالات و واقعات، قاضی کے ان کے قریب اور دور ہونے سے اور قاضی کے عدالتی اوقات وغیرہ سے فرق واقع ہو سکتا ہے۔ بہر حال مدت کے تعین کا تعلق اجتہاد سے ہے نص سے نہیں۔چونکہ اس باب میں نص موجود نہیں ہے اس لئے امام ابو حنیفہؒ نے تحدید مدت سے گریز کیا اور اسے قاضی کی صوابدید پر چھوڑ دیا۔

حسن بن زیادؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے نقل کیا ہے کہ اگر وقوعہ کے سال بعد گواہ آئیں تو ان کی گواہی قبول نہ کی جائے۔امام طحاویؒ نے چھ ماہ کی مدت مقرر کی ہے۔ صحیح رائے وہ ہے جو امام محمدؒ اور ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ مدت تقادم ایک ماہ ہے۔اگر شاہد ایک ماہ بعد گواہی دے تو قابل قبول نہ ہو گی مگر یہ اس صورت میں ہے جب گواہوں اور قاضی کے درمیان ایک ماہ (سفر) کا فاصلہ نہ ہو اگر اس قدر فاصلہ ہو اور یہ معلوم ہو کہ تاخیر شہادت عدالت سے دوری کی وجہ سے ہوئی ہے تو یہ وجہ شہادت میں حارج نہیں ہو گی اور اس طرح کی شہادت اقامت حد میں مانع نہیں ہو گی۔

(۲) امام ابو حنیفہ کی رائے بھی یہی ہے کہ تقادم کی کوئی مدت متعین نہ کی جائے اور اس کو قاضی کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے۔(۳)

سزا کی تنفیذ میں تاخیر پر تقادم کا اثر

تاخیر شہادت کی بنا پر ہو یا اقرار کے سبب، جرم حد کے اثبات میں تاخیر پر تقادم کا اثر مذکورہ بالا سطور میں بیان کیا گیا ہے اور جہاں تک تعلق ہے اس بات کا کہ اگر جرم کا اثبات ہو چکا ہو اور عدالت تنفیذ حد کا فیصلہ بھی سنا چکی ہو تو اجرائے حد میں تاخیر پر تقادم کا کیا اثر پڑتا ہے اس سلسلے میں امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ محکوم علیہ پر سزائے حد میں تاخیر بھی اقامت حد میں مانع ہے۔[42]

---

41 ibid, p.48
42 al-mabsūt, 9/69

ابن الہمامؒ کے بقول جس طرح تقادم قبول شہادت سے مانع ہے اسی طرح فیصلے کے بعد تقادم تنفیذ حد میں بھی مانع ہے۔ حتی کہ اگر کوئی شخص تنفیذ حد کے دوران بھاگ جائے اور ایک مدت کے بعد پکڑا جائے تو بقیہ حد نافذ نہیں کی جائے گی یہی رائے آئمہ ثلاثہ کی ہے جبکہ امام زفرؒ کی رائے میں تقادم اجرائے حد میں مانع نہ ہے۔[43]

مذکورہ بالا مباحث سے مستنبط نکات

یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حدود و تعزیرات میں تقادم کی اثر انگیزی کے بارے میں مذکورہ بالا تفصیلات سے متعلق چند اہم نکات بیان کردیئے جائیں تاکہ ایک واضح صورت سامنے آجائے۔

- قرآن وسنت میں ایسی کوئی قطعی نص موجود نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ شہادت میں تاخیر حدود و تعزیرات پر یا ان کی سزاؤں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ماسوائے اس اثر کے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو گواہ کسی ایسی حد کی گواہی دیں جس کی گواہی انہوں نے وقوع جرم کے وقت نہیں دی تو یہ گواہ کسی کینہ کی وجہ سے شہادت دینے والے ہیں۔
- جرائم حدود اور ان کی سزاؤں میں تقادم کی اثر انگیزی کے بارے میں فقہی اختلاف ہے جبکہ تعزیرات میں کوئی اختلاف نہیں اور بالاتفاق فقہاء اگر عدالت کسی بھی تعزیر کے اثبات میں تقادم کے مطابق مصلحت متصور کر لے تو جرم یا سزا کو ساقط کر سکتی ہے۔ اس طرح دیوانی معاملات میں بھی تقادم دعاوی پر اثر انداز ہوگا۔
- شہادت میں تاخیر اصولاً گواہ کے بارے میں عداوت و بغض کا شبہ پیدا کرتی ہے، حدود چونکہ شبہ سے ساقط ہوتی ہیں اس لئے اس شبہ سے بھی حد ساقط ہو جائیگی اور اس بات کا تعین عدالت کرے گی کہ آیا شہادت عداوت و کینہ پر مبنی ہے یا نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر عدالت کسی معاملہ میں شہادت میں تاخیر کو شبہ عداوت متصور نہ کرے تو اسے یہ استحقاق حاصل ہے کیونکہ بنیادی طور پر ہر طرح کے شبہ کا تعین عدالت ہی کا کام ہے۔
- بلا عذر شرعی تقادم حد کا سبب بنتا ہے اور اس سے جرائم حدود و تعزیرات پر یا دیوانی مقدمات پر اثر نہیں پڑے گا۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ پر جو تہمت لگائی گئی اس سے امام سرخسیؒ نے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ شہادت میں کسی عذر شرعی کی وجہ سے تاخیر مانع سماعت دعوی نہیں ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے مدینہ پہنچنے کا انتظار کیا اور اس کے بعد شہادتیں سنیں یعنی عذر سفر تسلیم کیا گیا۔ اس واقع سے ہمیں معلوم ہوا کہ اگر تقادم کسی ظاہری عذر کی بنا پر ہو تو وہ ادائے شہادت میں مانع نہیں ہے۔
- حق العبد پر تقادم اثر انداز نہیں ہوتا اس وجہ سے حد قذف پر تقادم کا کوئی اثر نہیں ہوتا کیونکہ فقہاء کرامؒ کے نزدیک اس میں حق العبد موجود ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ حق کمزور نہیں ہوتا بلکہ تاخیر کے باوجود شہادت اور اقرار دونوں قابل سماع ہوں گے کیونکہ قذف میں حق العبد یہ ہے کہ اس کی عزت نفس پر جو حرف آیا ہے وہ صاف کیا جائے اور یہ اسی صورت میں ہوگا جب قاذف کو شریعت کی مقرر کردہ سزا دی جائے۔
- جرم سرقہ میں حق العبد اس کا وہ مال ہے جو چوری ہوا ہے۔ اس لئے تقادم سے حد تو ساقط ہو جائیگی مگر مال مسروقہ کی ادائیگی بہر حال کرنا ہوگی اور چور پر حد یا تعزیر کے ساقط ہونے کے باوجود بھی مال مسروق واپس کرنا لازم ہے۔

43 ibni al humām, Muhammad bin ´abdul wāahid asiwāasī, sharah fathul qadīr alal hidāyah, 4/174, mustafā al-halbī, misir, 1970

- قانون ساز ادارے مختلف مقدمات کے لئے میعاد سماعت کا تعین کر سکتے ہیں تاہم طویل مدت دینے سے شریعت اسلامی کے فوری اور مؤثر انصاف کی روح متاثر ہوتی ہے البتہ اس معاملے کو کلی طور پر عدالت کی صوابدید پر چھوڑ دینا مناسب نہیں کیونکہ عدلیہ، خاص طور پر پاکستان میں، سیاسی اور سماجی اثرات سے محفوظ نہیں ہیں۔ لہذا طے شدہ میعاد کے نہ ہونے سے فصل خصومات میں تاخیر کے اسباب میں ایک سبب کا اضافہ ہو جائے گا۔
- تقادم کا مسئلہ اجتہادی نوعیت کا ہے، حالات و واقعات کے پیش نظر اس میں اجتہاد کی گنجائش موجود ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ میعاد سماعت کے تمام پہلوؤں کو بصورت دفعات از سر نو مرتب کیا جائے اور اسے جدید قانون بنا کر پیش کیا جائے تاکہ فقہ و قانون کی دنیا میں اس کی عملی افادیت نمایاں اور اسلامی قانون اور شریعت کے نفاذ میں پیش رفت ہو سکے۔

خلاصہ بحث

شریعت اسلامی کے اصل مآخذ یعنی قرآن و سنت میں صرف وراثت اور بعض جرائم کی سزاؤں کے مفصل احکام بیان ہوئے ہیں جبکہ باقی موضوعات سے متعلق صرف بنیادی قانونی اصولوں کا ذکر کر کے ان کے تفصیلی احکام کو زمان و مکاں کی مصالح و ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے اجتہاد پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ جب مسلمانوں کا واسطہ قدیم تہذیبوں سے پڑا اور ان کے معاشی حالات بہتر ہوئے تو فقہاء کرام اور قضاۃ نے انہیں اصولوں کے مطابق اجتہاد کر کے تفسیری و تفصیلی فقہ کا وہ عظیم ذخیرہ تیار کیا جس کی وسعت و جامعیت کی نظر قانون سازی کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ اس کوشش کے نتیجہ میں بہت سے اسلامی فقہی مکاتب فکر وجود میں آئے جن میں آج تک زندہ رہنے والے مذاہب حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ہیں۔ ان میں کوئی بنیادی دینی اختلاف نہیں ہے جیسا کہ ناواقفوں کو مغالطہ ہوتا ہے یا دیا جاتا ہے۔ جو کچھ اختلاف ہے وہ قضائی اور قانونی آراء کا ہے جن کی وجہ سے اسلامی فقہ کے قانونی نظریات کی ثروت میں زرخیز اضافہ ہوا ہے۔

قرآن و سنت میں واضح احکام نہ ہونے کی وجہ سے میعاد کی تحدید میں بھی فقہاء کرامؒ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے البتہ یہ بات طے ہے کہ یہ معاملہ اجتہادی نوعیت کا ہے۔ حقوق و ذمہ داریوں پر اثر انداز ہوئے بغیر انتظامی ادوار کو بہتر انداز سے نمٹانے کے لئے میعاد سماعت کا تعین عین شرعی ہے۔ حاکم حالات و واقعات کو مد نظر رکھتے ہوئے مخصوص شرائط احوال اور بعض حالات میں ایک معینہ مدت کے بعد کسی قضیہ کی سماعت اور اس پر فیصلے سے منع کر سکتا ہے تاہم حق ہمیشہ حقدار ہی کا رہتا ہے۔ مدت دراز گذرنے کا اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ مکر و فریب اور جعلسازی کو روکنے، ناجائز ذرائع کا سد باب کرنے اور عدالتوں کا وقت بچانے کے لئے میعاد سماعت کا تعین کیا جاتا ہے۔ احناف کے نزدیک صرف حقوق العباد یعنی دیوانی معاملات میں میعاد سماعت اثر انداز ہوتی ہے جبکہ جمہور فقہاء کرامؒ دیوانی اور فوجداری معاملات میں بھی میعاد سماعت کے مؤثر ہونے کے حق میں ہیں اور یہ کہ حدود اللہ مدت دراز گذرنے کے باوجود باطل نہیں ہوتیں۔ پاکستان میں رائج قانون میعاد سماعت 1908ء مجموعی طور غیر اسلامی نہیں ہے بلکہ نصوص شرعیہ میں اس کی بنیاد موجود ہے۔ مذکورہ ایکٹ کی فقہی بنیادوں پر نظر ثانی اور بعض دفعات میں معمولی حذف و اضافہ کر کے شریعت کے عین مطابق کیا جاسکتا ہے۔

This work is licensed under an Attribution-ShareAlike 4.0 International (CC BY-SA 4.0)